AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www.al-aasar.com

Vol. 3, No.1 (2026)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN:3006-6921

مشتاق احمد یوسفی کی نثر میں تہذیبی شعریات کا تجزیاتی مطالعہ:(آب گم کے تناظر میں)

بلال احمد
لکچرار شعبہ اردو گورنمنٹ ڈگری کالج پبی نوشہرہ
university.uop@gmail.com
ڈاکٹر مہرالنساء
لکچرار شعبہ اردو
گورنمنٹ فرنٹئر کالج برائے خواتین پشاور
Mehrmarwa18@gmail.com
نعمان گل
ایم فل اسکالر شعبہ اردو اسلامیہ کالج یونیورسٹی پشاور
Noman.khan4899@gmail.com

Abstract
Aab-e-Gum" is far more than a literary collection; it is a vital document of cultural preservation. Mushtaq Ahmad Yusufi masterfully uses his unique wit and prose to act as a mirror to the fading Indo Islamic civilization. By reviving lost traditions and values, he highlights the beauty of a composite culture where local and Islamic influences merged. His style itself rooted in the era's idiom and wisdom—becomes a testament to that heritage. Ultimately, the work harmonizes the past with the present, creating a meaningful cultural narrative and solidifying its place as a priceless treasure of collective memory and identity.

اس امر میں کوئی دوسری رائے نہیں کہ مزاح نگاری ادب کا نسبتاً دشوار گزار تخلیقی عمل ہے، یہی وجہ ہے کہ دنیا کے ہر ادب میں طنز و ظرافت کا رجحان دیگر اصناف کے مقابلے میں کم دکھائی دیتا ہے۔ اُردو ادب میں بھی کچھ ایسی ہی صورت حال ہے، اور یہاں صحیح ظریفانہ ادب کی قابلِ افسوس حد تک کمی ہے۔ دنیا کی ہر زبان میں طنز و مزاح کی ادبی روایت اس زبان کے تہذیبی و تاریخی رجحانات کی عکاس ہوتی ہے، اور جیسے جیسے زبان ترقی کرتی ہے، اس کا ادبی سرمایہ بھی ارتقاپذیر ہوتا ہے۔ برصغیر پاک و ہند کی ادبی وراثت میں یہ سلسلہ منزل بہ منزل زیادہ پُر وقار اور فنی حوالے سے مضبوط تر ہوتا چلا گیا ہے۔ اس تناظر میں مشتاق احمد یوسفی کا نام اُن معدودے چند تخلیق کاروں میں آتا ہے جنھوں نے اپنی فطری صلاحیتوں اور ریاضت سے ایسا ادب تخلیق کیا جو ان کی ذات سے منسوب ہے۔ ان کی تخلیقات نہ صرف انفرادیت کی حامل ہیں بلکہ فکر و بیان کے اعتبار سے بھی اعلیٰ درجہ رکھتی ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ طنز و مزاح پر ان کی غیر معمولی گرفت ہے جس کے باعث انھوں نے اپنی تحریروں کو لطف و انبساط بنا دیا۔ یوسفی کا کلیاتِ ادب پانچ کتابوں پر محیط ہے۔

۱۔ چراغ تلے ۲۔ خاکم بدہن ۳۔ زرگذشت ۴۔ آب گم ۵۔ شام شعریاراں

یہ آرٹیکل یوسفی کے مجموعے "آبِ گم" کے تہذیبی مطالعے پر مشتمل ہے۔ سب سے پہلے جاننے کی کوشش کریں گے کہ تہذیب کیا ہے۔ تہذیب کسی بھی معاشرے یا سماج کی اجتماعی شناخت ہوتی ہے، جو اس کے افراد کی رہن سہن، اطوار اور طور طریقوں میں نمایاں ہوتی ہے۔ یہ محض رسم و رواج کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک زندہ حقیقت ہے جو نسل در نسل منتقل ہوتی ہے اور معاشرے کے ذہنی، اخلاقی اور مادی پہلوؤں کی عکاسی کرتی ہے۔ تہذیب ہی وہ آئینہ ہے جس میں کسی قوم کی تاریخ، روایات، اقدار، علمی و فکری رجحانات اور روزمرہ زندگی کے نمونے صاف دیکھے جاسکتے ہیں جو لوگوں کے باہمی تعلقات، ان کے لباس، کھان پان، رہائش اور یہاں تک کہ سوچنے سمجھنے کے انداز پر گہرے اثرات مرتب کرتی ہے۔

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www.al-aasar.com

Vol. 3, No.1 (2026)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN:3006-6921

> بلاشبہ کسی بھی قوم کی تہذیب کا ارتقاء اس کی عملی ضروریات اور مستقبل کے تصورات کے تحت عمل میں آتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بقا کی اس بے لگام دوڑ میں طاقتور تہذیبیں کمزور تہذیبوں کو نگل جاتی ہیں۔ اسی تسلط کا انداز ماضی میں سامراجی تلوار کے ذریعے رہا، جبکہ آج کے دور میں اسے سیاست و معیشت کے اقتصادی خنجر کے ذریعے عمل میں لایا جا رہا ہے۔(۱)

جمیل جالبی تہذیب کی وضاحت کچھ یوں کرتے ہیں:

> تہذیب دراصل کسی قوم یا معاشرے کی وہ مشترکہ شناخت ہوتی ہے جو نہ صرف اُس کے طرزِ زندگی، اقدار اور روایات کو ظاہر کرتی ہے، بلکہ اسی بنا پر وہ قوم دوسری قوموں میں ایک منفرد اور ممتاز مقام حاصل کرتی ہے۔ یہ مشترکہ خصوصیات ہی ایک قوم کو اجاگر کرتی ہیں اور اُسے عالمی برادری میں پہچان دلاتی ہیں۔(۲)

درحقیقت تہذیب کسی بھی معاشرے کی روح کی مانند ہوتی ہے جو اس کے افراد کو مشترکہ روایات اور اقدار کے گرد جمع کرتی ہے اور انہیں ایک دوسرے سے جوڑتی ہے۔ یہ نہ صرف ماضی کی روایات کو محفوظ رکھتی ہے بلکہ عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق ان میں نئی روح پھونکتی ہے اور انہیں پروان چڑھاتی ہے۔ تہذیب کا دائرہ صرف مادی ترقی یا رسم و رواج تک محدود نہیں بلکہ اس میں اقدار، اخلاقیات، اصول اور وہ تمام لطیف انسانی جذبات و احساسات شامل ہیں جو ایک بہتر اور پرامن معاشرے کی تشکیل میں مدد دیتے ہیں۔

مشتاق احمد یوسفی کا شمار ان ادیبوں میں ہوتا ہے جن کی نثر میں تہذیبی شعور رچا بسا ہے۔ وہ اپنی معاشرتی جڑوں سے گہرا وابستہ رہا اور برصغیر کی تہذیبی روایات کو نہ صرف سمجھا بلکہ ان کی پاسداری بھی کی۔ ان کے اسلوب میں تہذیبی عناصر کی فراوانی ملتی ہے، جو ان کے مشاہدے کی گہرائی اور روایات سے انسلاک کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ ان کی تحریروں میں قدیم اور جدید تہذیبی اقدار کا حسین امتزاج دکھائی دیتا ہے جو انہیں منفرد مقام عطا کرتا ہے۔

یوسفی کی نثر میں تہذیبی تنوع کا عنصر نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔ وہ لکھنو کی نزاکت، دہلی کی شائستگی اور پنجاب کی رنگینی کو ایسے خوبصورت انداز میں برتتے ہیں کہ قاری بیک وقت کئی تہذیبی روایات سے روشناس ہوتا ہے۔ ان کی تحریروں میں قدیم تہذیبی روایات کے ساتھ ساتھ جدید تقاضوں کا بھی لحاظ رکھا گیا ہے، جس سے ان کی نثر میں ایک خاص قسم کی وسعت اور گیرائی پیدا ہو گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے مضامین میں تہذیبی رویوں کی عکاسی بھی ملتی ہے اور ان پر نفیس مزاحیہ انداز میں تبصرہ بھی۔ آبِ گم کے تمام مضامین تہذیبی شعور سے لبریز ہیں۔

انسانی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ عورت ہر دور میں جبر اور استحصال کا شکار رہی ہے۔ قدیم یونانی تہذیب میں عورت کو معاشرے کے نچلے ترین طبقے میں رکھا جاتا تھا، حتیٰ کہ اسے حقِ رائے دہی تک حاصل نہ تھا۔ رومی تہذیب میں بھی صورتِ حال مختلف نہ تھی؛ عورت کو مرد کی نگرانی میں کام کرنے، خدمت گزاری اور جسمانی خواہشات کی تکمیل کے آلے سے زیادہ اہمیت نہ دی گئی۔ اس کے بعد زمانۂ جاہلیت میں عورت کی عزت و آبرو کے ساتھ جو سلوک کیا گیا، اس کی مثال دنیا کی کسی تہذیب میں نہیں ملتی۔ عرب کے معاشرے میں ایک طویل عرصے تک لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی زندہ دفن کر دینے کی رسم رائج رہی، جو حضورِ اکرم ﷺ کی بعثت کے بعد ختم ہوئی۔ آپ نے بیٹیوں کو اللہ تعالیٰ کی رحمت قرار دیا۔ اسی دور میں ہندوستان میں بھی بعض معاشرتی رسوم عورت کے استحصال کی عکاس تھیں۔ راجپوتوں اور کچھ دوسری قبائل میں یہ رواج تھا کہ بیٹی کی پیدائش کو باعثِ شرم سمجھا جاتا تھا۔ وہ اسے ذلت خیال کرتے ہوئے بچپن میں ہی زندہ گاڑ دیتے تھے۔ یہ صورتحال بتاتی ہے کہ ان معاشروں میں عورت کی حیثیت جانوروں سے بھی کمتر تصور کی جاتی تھی۔ عربوں میں لڑکی کی پیدائش پر کیے جانے والے افسوسناک اعمال اس بات کا ثبوت ہیں کہ جاہلی عرب معاشرے میں عورت سے زیادہ کسی اور چیز کو ذلیل نہیں سمجھا جاتا تھا۔ ان رسوم و رواج سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ عورت کو حیوان سے بھی بدتر حالت میں رکھا گیا تھا۔ آبِ گم میں یوسفی اس رسم کو یوں بیان کرتے ہیں:

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www.al-aasar.com

Vol. 3, No.1 (2026)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN:3006-6921

کسی زمانے میں راجپوتوں اور عربوں میں لڑکی کی پیدائش نحوست اور قہر الٰہی کی نشانی تصور کی جاتی تھی ان کی غیرت یہ کیسے گوارا کر سکتی تھی کہ ان کے گھر برات چڑھے۔ داماد کے خوف سے دونوزائیدہ لڑکی کو زندہ گاڑ آتے تھے۔(۳)

بدھ مت میں مبلغین کے لیے ضروری ہے کہ وہ دنیاوی آسائشوں اور لذتوں سے کنارہ کشی اختیار کریں، جیسے کہ قیمتی لباس، خوشبویات، رقص و سرود، شراب اور آرام دہ بستر وغیرہ۔ ان کا انحصار صرف بھیک میں ملنے والی خوراک پر ہوتا ہے اور وہ دن میں صرف ایک مرتبہ دوپہر سے قبل کھانا کھاتے ہیں۔ بودھ بھکشو جنگلوں میں قیام کرتے ہیں، درخت کے سہارے بیٹھ کر سوتے ہیں اور اپنے معمولات میں انتہائی سادگی اختیار کرتے ہیں، حتیٰ کہ مہینے میں ایک بار مردہ گھاٹ جا کر دنیا کی فنا پر غور بھی کرتے ہیں۔ بدھ تہذیب کا بنیادی مقصد انانیت اور نرگسیت کا مکمل خاتمہ ہے، یہی وجہ ہے کہ اس میں "گدائی کا تاج سلطانی سے کم نہیں" سمجھا جاتا ہے۔ بھکشو صرف ایک وقت کے کھانے کے قابل بھیک ہی قبول کرتا ہے اور جو کچھ ملے، خواہ وہ بدذائقہ یا مضر صحت ہی کیوں نہ ہو، اسے پورا کھانا لازم ہے۔ اس طرح کی تعلیمات کا مقصد انسانی دل و دماغ سے انا کا خاتمہ کرنا اور روحانی ترقی کی راہ ہموار کرنا ہے، جو بدھ مت کے اخلاقی نظام کا خاصہ ہے۔ یوسفی اس بیان کی وضاحت اسی طرح کرتے ہیں۔

پھر کہنے لگے بھائی تم نے وہ بھکشو والا قصہ نہیں سنا؟ بھکشو سے سات برس بھیک منگوائی جاتی تھی تا کہ انا کا پچھن ایڑیوں تلے بالکل کچل جائے۔ اس کے بغیر آدمی کچھ پا نہیں سکتا۔۔۔۔ کاسنہ گدائی کو مہاتما بدھ نے تاج سلطانی کہا ہے۔ اور جو کچھ اُس کے پیالے میں ڈال دیا جائے، اسی کو بے چون و چرا کھانا اُس پر فرض ہے۔۔۔۔ ڈالتے وقت اُس کا کوڑھ سے گلا ہوا انگوٹھا بھی جھڑ کر پیالے میں گر پڑا۔ پنڈولے کو دونوں کا سوا ایک سال لگا۔ یعنی کچھ نہیں۔(۴)

ہند اسلامی تہذیب کے پیروکاروں میں موت کی صورت جنم لینے والا خلوص اور باہمی محبت کو یوسفی صاحب میاں بیوی کے تعلق سے ظاہر کر رہے ہیں۔

بیوی کے انتقال کے بعد بشارت بہت دن کھوئے کھوئے سے، گم صم رہے۔ جیسے اُنھوں نے کچھ گم نہ کیا ہو، خود گم ہو گئے ہوں۔ جوان بیٹوں نے۔۔۔۔ ہوئی مٹی کے ڈھیر پر خاموش کھڑے دیکھا کیے۔ ابھی اُن کے بٹوے میں مرحومہ کے ہاتھ کی رکھی ہوئی الائچیاں باقی تھیں۔ اور ڈیپ فریزر۔۔۔۔ کروشیے کی جو ٹوپی وہ اُس وقت پہنے ہوئے تھے وہ اُس جنتی بی بی نے چاند رات کو دو بجے مکمل کی تھی، تا کہ وہ صبح اُسے پہن کر عید کی نماز پڑھ سکیں۔ سب مٹھی بھر بھر۔۔۔ گئی تو اُنھوں نے مرحومہ کے ہاتھ کے لگائے ہوئے موتیا کی چند کلیاں۔(۵)

ہندوستانی معاشرت میں عورت کو کم تر درجہ دے کر شوہر کو بھگوان کے برابر سمجھا گیا، جہاں عورت کو مرد کی خدمت گزاری کا سماجی فریضہ ادا کرنا ہے اور آج بھی اسے شوہر کے انتظار کے بعد کھانے کی اجازت ہے، جبکہ اس کے برعکس اسلامی معاشرے میں عورت کو بلند مقام اور حقوق کا تحفظ حاصل ہے، یہی وجہ ہے کہ مشرقی تہذیب میں عورتیں شرم و حجاب کے تحت شوہروں کو نام سے پکارنے کے بجائے "سرتاج" جیسے القاب یا ضمائر سے مخاطب کرتی ہیں اور پردے کی رسم آج بھی نمایاں ہے، جس کا اثر یوسفی کے مطابق مشرقی مردوں میں بھی سرایت کر رہا ہے۔

پرانے خیال کی حیادار بیبیاں ہر مرد کا نام لے سکتی ہیں، سوائے اپنے میاں کے۔ اپنے مرد کا نام لینا بے حیائی میں شمار ہوتا ہے۔ یعسوب الحسن غوری بھی کبھی کسی محرم انگریز کا نام نہیں لیتے تھے۔ اُن کا ذکر آتے ہی بڑا صاب چیف یا باس کا گھونگھٹ نکال لیتے تھے۔(۶)

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www.al-aasar.com

Vol. 3, No.1 (2026)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN:3006-6921

بلا شبہ مسلمانوں نے ہر دور میں موسیقی کو عزت بخشی ہے اور مخالفت کے باوجود اس فن کے چاہنے والوں کی تعداد میں کبھی کمی نہیں آئی۔ مشہور مسلم مفکر الفارابی (۹۵۰-۸۷۲ء) کا کہنا تھا کہ موسیقی سے پیش کرنے والے اور سننے والے دونوں کے جذبات گہرے طور پر متاثر ہوتے ہیں، جبکہ امیر خسرو (۱۳۲۵-۱۲۵۳ء) نے اس فن پر قیمتی کتابیں تصنیف کیں۔ مغل دور میں موسیقی کو خاص مقام حاصل رہا، جس کی عمدہ مثال تان سین (۱۵۸۹-۱۵۰۶ء) کی صورت میں ملتی ہے۔ ہندوستان میں موسیقی کے متعدد گھرانوں نے اس فن میں بین الاقوامی شہرت حاصل کی اور اپنی تہذیبی تاریخ کا جائزہ لینے سے پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں نے نہ صرف گائیکی میں مہارت حاصل کی بلکہ اس موضوع پر شاندار تصانیف بھی چھوڑیں۔ اس کے برعکس، معاشرے میں ایک طبقہ ایسا بھی ہے جو موسیقی کو مکمل طور پر کافرانہ فعل قرار دے کر رد کر دیتا ہے اور اسے نہ صرف منحوس بلکہ حرام بھی گردانتا ہے۔ یوسفی نے اس فکری کشمکش کو خوبصورتی سے یوں بیان کیا ہے کہ ایک طرف امیر خسرو، تان سین اور جدید دور کے نامور فن کار ہماری تہذیب کا حصہ رہے ہیں، تو دوسری طرف وہ لوگ بھی موجود ہیں جو موسیقی کو یکسر مسترد کرتے ہیں۔ یہ تضاد ہمارے معاشرے میں فن موسیقی کے حوالے سے پائی جانے والی دوہری فکر کی عکاسی کرتا ہے۔

> فون پر سارنگی سنوانے کا قصہ یہ ہے کہ اُن کے والد مرحوم حاجی محمد یعقوب صاحب اپنے گھر میں تاش، پرائی عورتوں کے فوٹو (مراد ایکٹروں سے تھی) اور پاندان رکھنے کے تو خلاف تھے ہی گانے کی محفل کے بھی روادار نہ تھے۔ فرماتے تھے "بیاجی! موسیقی حرام تو آتی ہے۔۔۔ منحوس بھی ہوتی ہے۔ جس گھر میں ایک دفعہ طبلہ یا نکھرو بج گئے۔۔۔ اُس گھر کے سامنے ایک نہ ایک دن روالے اور ترقی کا ڈھول بجنا لازمی ہے۔ وہ گھر اُجڑے ہی اُجڑے۔ اُسے میری وصیت جانو۔۔(۷)

ہند اسلامی تہذیب میں طوائفوں کے مختلف طبقے جو اپنے پیشے، مقام اور معاشرتی حیثیت کے لحاظ سے تقسیم تھے۔ عام جسم فروش عورتیں، جو سرعام اس پیشے سے منسلک تھیں، "رنڈیاں" کہلاتی تھیں، مگر اہل علم اس لفظ سے گریز کرتے تھے اور ان کے لیے "تماش بینی" کی اصطلاح استعمال کرتے تھے۔ اشرافیہ طبقہ کے لوگ باوقار طریقے سے پیشہ ور طوائفوں کے کوٹھوں پر جایا کرتے تھے، جہاں یہ طوائفیں رقص و سرود میں مہارت رکھتی تھیں۔ بعض امرا ان کے دلالوں کے ذریعے انہیں اپنی حویلیوں میں بلوا لیتے تھے، جہاں وہ کئی راتیں قیام کرتی تھیں۔

اس کے برعکس، "ڈیرے دار طوائفیں" انتہائی مہذب، تعلیم یافتہ اور فنون لطیفہ میں ماہر ہوتی تھیں۔ ان کا پیشہ مجبوری نہیں بلکہ معاشرے میں اعلیٰ مقام حاصل کرنے کا ذریعہ تھا، اور انہیں مالی طور پر کوئی مشکل نہ تھی۔ یہ طوائفیں عام افراد سے تعلقات قائم کرنے کے بجائے ایک یا دو تین رئیسوں کی ملازمت اختیار کرتی تھیں اور پوری زندگی انہیں کے ساتھ گزار دیتی تھیں۔ معاشرے میں انہیں خاص مقام حاصل تھا اور وہ آداب نشست و برخاست اور طرز گفتگو میں مثالی سمجھی جاتی تھیں۔ ان طوائفوں کے بالاخانے شرفا کے لیے تربیت گاہ کی حیثیت رکھتے تھے، جہاں وہ اپنے بچوں کو شائستگی اور تہذیب سیکھنے کے لیے بھیجتے تھے۔ اعلیٰ طبقہ کے نوجوان اور بزرگ اکٹھے ان محفلوں میں شریک ہوتے تھے اور اسے معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ شہزادگان بھی تعلیم و تربیت کے لیے انہی عشرت خانوں میں بھیجے جاتے تھے۔ یوسفی نے ہند اسلامی تہذیب میں طوائف کے مثبت و منفی کردار کو بیان کرتے ہوئے اس بات پر روشنی ڈالی کہ یہ طبقہ معاشرتی تہذیب و تمدن کا ایک اہم حصہ تھا۔ ہند اسلامی تہذیب میں طوائف کے کردار پر یوسفی یوں لکھتے ہیں:

> ایک دن قبلہ فرمانے لگے "ابھی کچھ دن ہوئے کراچی کی ایک نامی گرامی طوائف کا گانا سننے کا اتفاق ہوا۔ اماں! اس کا تلفظ تو چال چلن سے بھی زیادہ خراب نکلا۔ ہائے! ایک زمانہ تھا کہ شرفا اپنے بچوں کو ادب آداب سیکھنے کے لیے چوک کی طوائفوں کے کوٹھوں پر بھیجتے تھے۔(۸)

مجموعی طور پر مشتاق احمد یوسفی کا مجموعہ "آبِ گم" عہدِ رفتہ کی تہذیبی خود آگہی کا آئینہ دار ہے جس میں مصنف نے ہند اسلامی تہذیب کے ان نادر نقوش کو محفوظ کیا ہے جو جدیدیت کی تند و تیز لہر میں گم ہوتے چلے گئے۔ اس مجموعے میں یوسفی نے ہندوستانی تہذیب کے اس مرکب کردار کو اجاگر کیا ہے جس میں مقامی روایات اور اسلامی

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www.al-aasar.com

Vol. 3, No.1 (2026)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN:3006-6921

اثرات کا امتزاج ایک منفرد کل کی تشکیل کرتا ہے۔ وہ ماضی کی ان تہذیبی اقدار کو موضوع بحث بناتے ہیں جو وقت کے دھارے میں تحلیل ہوتی چلی گئیں لیکن ان کے تخلیقی شعور نے انھیں اختراعی انداز میں زندہ کیا ہے۔ اس کے علاوہ یوسفی کا اسلوب بھی اسی تہذیبی رچاؤ کا عکاس ہے جہاں فکری گہرائی اور لفظی چناؤ میں ہندوستانی تہذیب کی صدیوں کی تہذیبی روایت جلوہ گر ہے۔ ان کی تحریر میں لفظوں کی چاشنی، محاوروں کی برجستگی اور بیانیہ کی دلکشی اس تہذیبی ورثے کی غمازی کرتی ہے جس میں ظرافت بھی حکمت آموزی کا پیراہن اوڑھے نظر آتی ہے۔ اس طرح "آبِ گم" محض ایک ادبی مجموعہ نہیں بلکہ تہذیبی شعور کا وہ بیش بہا خزانہ ہے جس میں ماضی کی تہذیبی روایات حال کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہو کر ایک نیا معنی خیز نظام تشکیل دیتی ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ شوکت واسطی، تواریخ اور اس کے مطالعے کا شغف، مشمولہ، سیب، کراچی، شمارہ، ۵۴، ص ۴۳
۲۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، تعلیم و تہذیب، لاہور، مجلس ترقی اُردو، ۱۹۷۵، ص ۳۱
۳۔ مشتاق احمد یوسفی، آب گم، لاہور، جہانگیر بکس، ص ۳۳
۴۔ ایضاً، ص ۲۹۱
۵۔ ایضاً، ص ۲۱۵
۶۔ ایضاً، ص ۱۵۴
۷۔ ایضاً، ص ۹،۱۰
۸۔ ایضاً، ص ۶۴